WWW.KITABNAGRI.COM
کتاب نگری
پچھتاوا
ملیکہ روشن شاہ

پچھتاوا

ملیکہ روشن شاہ

گر جو معلوم ہوتا کہ تم اس طرح کرو گے

یقیں جانو ہم تم سے پہلے خود ہی مر جاتے"

قبرستان میں ہر طرف ایک دل سوز خاموشی کا راج تھا قدم قدم پہ اس دنیا سے چلے جانے والوں کی داستانیں بکھری پڑی تھیں مگر کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ رکے اور ان کی ختم شد کہانیوں پہ غور و فکر کرے باوجود اس کے کہ ایک دن اس نے خود بھی انہی لوگوں اور جگہ کا حصہ بنتے ہوئے اپنے پیچھے ایک داستان چھوڑنی ہے

خیر۔۔۔۔۔۔یہ تو ایک کارواں ہے جو چلتا رہنا ہے آتے جائیں گے اپنا اپنا مخصوص وقت پورا کریں گے اور واپس چلے جائیں گے

لیکن ایک وہ تھے جو لگاتار دس سالوں سے اس قبرستان میں بکھری داستانوں کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے اور اسی ایک نقطے پر ٹھہرے ہوئے تھے جس پہ وہ پچھلے کئی سالوں سے گامزن تھے وہی صبح کی نماز قریبی مسجد میں ادا کرنی اور قدم ایک معمول کی طرح خود بخود ہی قبرستان کے دروازے کی جانب مڑ جاتے ایک سیدھ میں چلتے ہوئے دروازے سے گزر کر اپنی مخصوص جگہ پہ پہنچ جانا جہاں وہ پچھلے دس سالوں سے مجاور بنے ہوئے تھے اور ایک دن بھی قضا کرنا ایسے تھا کہ جیسے اس مزار میں لیٹا وہ شخص ان سے ناراض ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔۔(ویسے وہ ناراض ہی تو تھا جبھی تو ان سے روٹھ کے یہاں اس قبر میں چلا آیا تھا) وہ روزانہ کی بنیاد پر یہاں آتے صاف ستھری قبر اور اس کے ارد گرد موجود جگہ کی صفائی کرتے قبرستان کے باہر بیٹھے بوڑھے سے لائے گئے تازہ گلاب قبر پر سلیقے سے سجاتے اور پھر وہیں کسی پیاسے کی طرح قبر پر نگاہیں جما کر بیٹھ جاتے صبح سے دوپہر ہوتی۔۔۔۔۔۔شام اور پھر رات آخر قبرستان کے دروازے پہ پھول لے کر بیٹھنے والا بوڑھا ہی اندر آتا اور انہیں کندھے سے ہلا کر رات ہونے کا بتاتا وہ اس کی طرف چونک کر دیکھتے اور بغیر کچھ بولے باہر نکلنے کیلئے کھڑے ہو جاتے ایک حسرت بھری نگاہ اس قبر پہ ڈالتے نگاہوں میں ایک غم، پشیمانی، پچھتاوا اور درد کی کیفیت رقصاں ہوتی اور وہ لٹے ہوئے جواری کی طرح اپنے قدموں کو گھسیٹتے ہوئے باہر نکل جاتے

آخر کار دعائیں رنگ لے ہی آئیں تھیں اور بے حد منتوں اور مرادوں اور پانچ بہنوں کے بعد وہ پیدا ہوا تھا

پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی اور اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا "وجاہت حسین شاہ"

بلاشبہ وہ اپنے نام کی طرح حسن اور وجاہت کا پیکر تھا پانچوں کی پانچویں بہنں اس کی دیوانی تھیں جبکہ ماں باپ عاشق

ہسپتال سے لے کر گھر، گلی، محلے اور آفس تک کوئی انسان ایسا نہیں بچا تھا جس تک اس کی پیدائش کی خوشی کی مٹھائی نہ پہنچی ہو کئی مہینوں تک لوگ مبارکباد دینے کیلیئے آتے رہے دیگیں چڑھائی گئیں غریبوں میں چالیس دن تک لنگر چلتا رہا

کئی دنوں تک اس کے چرچے رہے بالآخر سب معمول پہ آگیا مگر نہیں آیا معمول پہ تو وجاہت حسین شاہ کے گھر والوں کے طور طریقے اور اس کیلیئے اس کے گھر والوں کی دیوانگی

بہنوں کو سکول سے واپس آتے ہی اس کو ایک دوسرے سے پہلے گود میں لینے کی جلدی ہوتی جس پہ جھگڑے بھی ہوتے اس لیے ان کی باریاں باندھ دی گئیں جس پہ تھوڑا سکون ہوا سکول میں بھی بس بھائی کی باتیں اور قصے ہوتے اس کے بعد اس کے بابا۔۔۔۔۔انہیں تو بس گھر میں داخل ہوتے ہی وجاہت شاہ سامنے چاہیے ہوتا تھا باوجود اس کے کہ وہ جتنا مرضی تھکے ہوتے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے لے کر بیٹھے رہتے ان کی بیگم چاہے لاکھ ان کو ان کی تھکن کا احساس دلاتیں مگر وہ ٹس سے مس نہ

ہوتے بس ایک دھیمی سی مسکراہٹ سے دیکھے جاتے جس پر وہ انہیں خاموشی سے دیکھ کر رہ جاتیں بلآخر وجاہت سو جاتا تو پھر اٹھ کر کپڑے بدلتے اور کھانا کھاتے بعض اوقات ان کی بیگم ان کو سمجھاتیں بھی کہ اپنی دیوانگی کو تھوڑا کم کریں یہ نہ ہو کہ اتنی محبت پہ وہ بڑا ہو کر بگڑ جائے اور ہمارے پاس سوائے پچھتانے کے اور کچھ نہ ہوں چونکہ وہ ماں تھیں محبت کے ساتھ ساتھ ان کو اس کی تربیت کے حوالے سے بھی خدشات تھے جو کہ درست تھے

ان کی اس بات کو انہوں نے ہنس کر اڑا دیا کہ بیگم آپ بھی کمال کرتی ہیں اتنے سے بچے کے بگڑنے کی آپ کو فکر لگ گئی بھلا ابھی سے اس نے کیا بگڑنا ہے جب بڑا ہو گا دیکھی جائے گی اور ویسے بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ وجاہت حسین شاہ بگڑ جائے آخر میں ان کا لہجہ فخریہ ہو گیا اور وہ بس دیکھ کر رہ گئیں

)کتنا درست کہا تھا انہوں نے آخر میں ایک پچھتاوا ہی تو تھا جو ان کے پاس وافر مقدار میں بچا تھا وہ ایک پرانی یاد پہ سرد آہ بھر کر رہ گئے تھے آنکھوں سے ایک سیل رواں تھا جو خشک ہونے میں نہ آتا تھا۔(

وقت کے پنچھی کو گویا پر لگ گئے تھے اور آخر کار وہ دن آ پہنچا کہ جس دن وجاہت کا سکول کا پہلا دن تھا بڑی پانچوں کی پانچویں بہنیں جو نہ صرف قد کاٹھ میں بلکہ عمر کے بھی قدرے سمجھدار حصے میں پہنچ چکی تھیں اور بالترتیب بڑی دونوں جو کہ جڑواں تھیں وہ کالج کے تیسرے سال میں جبکہ چھوٹی تینوں میں سے ایک کالج کے پہلے سال اور دوسری دونوں سکول میں نویں اور دسویں جماعت کی طالبہ تھیں وہ سب

کی سب ملازموں کی فوج ہونے کے باوجود بھائی کے آگے پیچھے بھاگی پھر رہی تھیں کسی کو اس کا منہ دھلوانے کی فکر تھی تو کسی کو اسے وردی پہنانے کی کوئی جوتے کے پیچھے پاگل ہوئی پھر رہی تھی کہ کون سا جوتا وجاہت کیلئے آرام دہ رہے گا اور اسے تکلیف نہیں پہنچائے گا بیشک کہ اس نے کار پہ ہی جانا اور آنا تھا لیکن تھوڑا بہت تو سکول میں چلنا ہی تھا

خیر خدا خدا کر کے اسے تیار کر کے کھانے کی میز پر لایا گیا کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ جو اسے پسند ہو اور وہ میز پہ موجود نہ ہو یکے بعد دیگرے کبھی کوئی چیز تو کبھی کوئی چیز اسے پیش کی جاتی رہی اس نے اپنے مطابق تھوڑا بہت کھایا اور جوس کا گلاس میز پر رکھ کر جانے کیلئے کھڑا ہو گیا اور اپنی معصوم سی آواز سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چلیں بابا!

ہمیں دیر ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس کی آواز سنتے ہوئے وہ فخریہ انداز سے اپنی بیگم کی جانب دیکھنے لگے جوابا وہ بھی دھیما سا مسکرا دیں اور پلٹ کر وجاہت کو بیگ پہنانے چلنے دیں

انہوں نے بھی نیپکین سے اپنا چہرہ تھپتھپایا

اور فورا اٹھ کر باہر کی جانب چل دیئے باہر جا کر کار کو پیچھے کی جانب موڑا اور اپنی دوسری طرف والا دروازہ کھول دیا اتنے میں وہ اپنی ماں اور پانچویں بہنوں کے نرغے میں دوڑتا ہوا آیا جھک کے ان سب

سے پیار لیا اور بھاگ کر اگلی نشست پر آ بیٹھا مستعد چوکیدار نے جھٹ سے گیٹ کھولا اور وہ کار باہر نکالنے لگے کار کے باہر نکلتے وقت تک وہ شیشے کی جانب منہ کیئے گھر کے اندرونی دروازے میں کھڑی ان سب کو ہاتھ ہلاتا رہا وہ بھی اس کو جب تک ہاتھ ہلاتی رہیں جب تک وہ ان کی جانب دیکھتا رہا جیسے ہی کار ان کی نظروں سے اوجھل ہوئی وہ بھی اپنی اپنی تیاری کرنے کیلئے اندر کی جانب چل دیں

ان کے سکول میں آج پھر سالانہ فنکشن تھا جس میں ان سب کے ریزلٹ بھی آنا تھے اور دوسرے مقابلہ جات کے نتیجے بھی آج ہی آنا تھے تیزک

حسب سابق آج بھی اس کے ماں باپ پچھلے آٹھ سالوں کا اس کے انعامات اور اعزازات کا فخر لیئے پہلی لائن کی پہلی نشستوں میں ہی بیٹھے تھے ایک متانت والی مسکراہٹ ان کے لبوں کا خاصا بنی ہوئی تھی وہ دھیمی مسکان کے ساتھ لوگوں سے مل رہے تھے اور رزلٹ آنے سے پہلے ہی آدھی سے زیادہ عوام سے مبارکبادیں وصول بھی کر چکے تھے وقفے وقفے سے ان کی سماعتیں تھوڑی ردوبدل کے ساتھ اپنے ایک اکلوتے بیٹے کی تعریفیں سماعت کرتیں اور کانوں میں ایک خوشبو بھرا رس گھل جاتا اور وہ دونوں بس مسکرائے چلے جاتے

تھوڑے سے مزید انتظار کے بعد نتیجوں کا اعلان اور انعامات کی تقسیم شروع ہو چکی تھی

بس پھر کیا تھا ہمیشہ کی طرح وہ نہ صرف اپنی جماعت میں بلکہ ہر مقابلے میں ہی اول انعام کا حقدار ٹھہرا تھا انعامات اور ٹرافیوں کا ڈھیر لگ گیا تھا

بہترین طالبعلم۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہترین کرکٹر اور کپتان۔۔۔۔۔۔بہترین مقرر۔۔۔۔۔۔۔بہترین سٹیج ایکٹر۔۔۔۔۔۔۔۔۔سکول کی تنظیم بزم ادب اور انسانی حقوق کی کمیٹی کا صدر۔۔۔۔۔اور تمام اساتذہ کی دلعزیز شخصیت "وجاہت حسین شاہ"..............در حقیقت ایک کمال اور لاجواب شخصیت

اور اس کے علاوہ ایک چیز اور جس نے سکول میں آنے والے باقی لوگوں کے ساتھ ساتھ مہمان خصوصی کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیا وہ تھی وجاہت حسین شاہ کی بنائی گئی پینٹنگ اس کا شاہکار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رنگ گویا کینوس پہ اگ آئے تھے اور ارد گرد موجود ہر ایک چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے وہ حیرانی میں مبتلا ہو کر اسے دیکھے جا رہے تھے گویا کہ یہ یقین کر لینا چاہتے تھے کہ یہ کمال اسی کا ہے اور یقیناً اسی کا تھا اور وہی تھا جو یہ کر سکتا تھا

سمندر کی لہروں کے زیر عتاب آنے والی ایک کشتی اور پھر اس کا ان لہروں سے انتہائی جانفشانی سے نپٹنے کا ایک منظر تھا

موت گویا نگلنے کو تھی مگر وہ کشتی ہار ماننے کو تیار نہ تھی اور یہیں سے انسان کو ایک نئی امید ملتی تھی اور ایک ولولہ و جوش پیدا ہوتا تھا

کہ

"کوئی انسان اس وقت تک نہیں ہار سکتا جب تک کہ وہ خود ہار نہ مان لے"

کشتی کی جدوجہد سے یہی لگتا تھا کہ جیت اسی کی ہو گی اور وہ سمندر کی طوفانی لہروں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گی

ایک نو عمر لڑکے نے اگر یہ بنائی تھی تو واقعی ہی کمال تھا انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا جس پر اس کے والدین خوشی سے حیرت زدہ ہو کر انہیں دیکھے چلے جا رہے تھے اس کی وہ شاہکار پینٹنگ سکول کے پرنسپل کے آفس میں رکھ دی گئی اور وہ ان تمام انعامات اور ٹرافیوں کے ڈھیر کے ساتھ ایک وقار سے چلتا ہوا سٹیج سے نیچے اتر آیا اپنے ماں باپ سے پیار لیا اور پھر اپنے دوستوں کی جانب چلا آیا جو فرط جذبات سے اسے گلے لگانے کو بے تاب ہو رہے تھے وہ مسکراتا ہوا ان سے ملا اور پھر ان کی باتیں کافی دلچسپی سے سننے لگا جو کہ اسی کی کامیابی کے ہی متعلق تھیں اور وہ پارٹی لینے کو اتاولے ہوئے چلے جا رہے تھے اس نے مسکرا کر ان کی پسندیدہ جگہ پہ پارٹی دینے کی ہامی بھری پھر نہایت شائستگی سے معذرت کرتا ہوا گھر جانے کو اٹھ کھڑا ہوا اسے معلوم تھا کہ اس کے ماں باپ کو اب صرف اس کے گھر جانے کیلئے اٹھنے کا انتظار ہے تا کہ وہ جلد از جلد گھر پہنچ سکیں جہاں دونوں بڑی اور منجھلی آپا پہلے ہی سے اس کے انتظار میں اپنے سسرال سے تشریف لا چکی ہوں گی اور دونوں چھوٹی آپا یونیورسٹی اور کالج سے اپنے اپنے لیکچرز دے کر جلد ہی گھر آ چکی ہوں گی جو کہ اب لیکچرارز تھیں

وقت کی ایک بات جو کہ بہت خوبصورت ہے کہ یہ گزر جاتا ہے چاہے اچھا ہو یا برا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔گو کہ اس کی عطا کی گئی یادوں کی نوعیت مختلف ضرور ہو سکتی ہے وہ خوشیوں سے بھرپور ہو سکتی ہیں یا غم کے تڑکے والی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت کچھ اور بھی بدلتا چلا جاتا ہے انسان کی شخصیت،عادات،رہن سہن،حالات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وقت اور اس کے تقاضے ایک طرف مگر اس وقت نے وجاہت حسین شاہ کو قدرے سمجھداری اور شعور عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کو اور بھی چار چاند لگائے تھے اس کی زندگی کو مزید حسین بناتے ہوئے اس کی جھولی میں خوشیوں اور کامیابیوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے روزمرہ کے معمولات کی طرح آج کا دن بھی ویسا ہی سکون بھرا طلوع ہوا تھا مگر ایک بھید بھری خاموشی تھی جس نے ہر ایک شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا

یار وجاہت تیری تو موجیں ہیں جو چاہتا ہے پا لیتا ہے جو کہتا ہے مل جاتا ہے تو حقیقتاً شہزادہ ہے اور تیری قسمت۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے تو کیا کہنے دھنی ہے یار تو اپنی قسمت کا۔۔۔۔۔اس کے دوست نے اس کے کندھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا وہ ابھی ابھی ریسٹورنٹ سے دن کا کھانا کھا کر باہر نکلے تھے اور اس کی ابھی پچھلے ہفتے لی گئی نئے ماڈل کی کار کی طرف بڑھ رہے تھے آج کل چونکہ وہ فارغ تھے یونیورسٹی کے

ایڈمیشن کھلنے میں ابھی وقت تھا سو فراغت ہونے کی بنیاد پر خوب سیر سپاٹے اور مستیاں ہو رہی تھیں اور آج وہ شہر سے کافی باہر کی طرف جدید بنائے گئے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے آئے ہوئے تھے

وہ اس کی طرف دیکھ کے ہلکا سا مسکرا دیا اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولنے لگا

اس کا دوست بھی دوسری جانب فرنٹ سیٹ پہ آ کر بیٹھ گیا تو اس نے اگنیشن میں چابی گھمائی اور کار کو آگے کی جانب بڑھا دیا

اچھا یار وجاہت یہ بتا اب آگے کا کیا پلان ہے تیرا تو نے کیا سوچا ہے وہ اس کی طرف چہرہ موڑتے ہوئے پوچھنے لگا

اس کے کیئے گئے سوال پہ اس نے سابقہ انداز میں ایک مسکراہٹ اچھالی اور آگے کی جانب دیکھنے لگا

اوئے میں کیا کہہ رہا ہوں اور تو شرمیلی معشوقہ کی طرح بس مسکرائے چلا جا رہا ہے وہ متوقع جواب کے برعکس صرف اس کی مسکراہٹ پہ چڑ ہی تو گیا تھا اس لیئے تھوڑا جھنجھلا کر اب مکمل طور پر اس کی طرف مڑتے ہوئے بولا

اس کی جھنجھلاہٹ پہ اس کا ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا تھا ارے یار نعمان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب کیا بتاؤں میں تجھے؟؟؟اب کی بات اس نے نعمان کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا

اوہ!اس کے ہونٹ سیٹی کی شکل میں گول ہوئے تھے

نعمان نے قدرے چونکتے ہوئے اسے دیکھا اور تھوڑی دیر اس کی طرف غور سے دیکھتے رہنے کے بعد اپنے سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے ایک دم چلا اٹھا تھا

ابے یار۔۔۔۔۔۔۔۔۔وجی (وجاہت) میں بھی کتنا بڑا گدھا ہوں میری آنکھوں کے سامنے والی داستان میری عقل میں نہیں آرہی یار تو اپنے عشق کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا ہے؟؟؟؟

اس نے سمجھدار بنتے ہوئے داد لینے والی نظروں سے اسے دیکھا

ہاں یار گدھا تو، تو واقع ہی بہت بڑا ہے اتنا کہ تجھ سے بڑھ کر کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا وہ گونجتی ہنسی کے ساتھ بولا۔۔۔۔۔۔۔۔

اس پر نعمان تھوڑا انجل سا ہوا اور ایک منٹ لگاتار اسے گھورتے رہنے کے بعد خود بھی قہقہ لگا کے ہنس پڑا

یار وجی (وجاہت) تو اچھے سے جانتا ہے کہ یہ تو ہی ہے جس کی میں اتنی سن لیتا ہوں خیر۔۔۔۔۔کوئی نہیں "سچی یاری، سب پہ بھاری "اس نے تھوڑا ہیرو بنتے ہوئے بڑا ادا سے کہا

جس پہ وہ ایک دفعہ پھر سے ہنس پڑا اور گاڑی کی سپیڈ بڑھادی

گرمی کافی بڑھ گئی تھی اتنی کہ اب دن کے وقت تو کوئی اس طرف کارخ بھی نا کرتا تھا حتی کہ وہ بھی کہ جن کے پیاروں کو اس جگہ کا مسافر بنے ہوئے فقط دو چار دن ہی ہوئے تھے وہی پیارے کہ جن کی

زندگی میں ہم دو چار دن تو کیا دو چار پل بھی ان سے دور رہنا گوارا نہیں کرتے پر وہ کہتے ہیں نا کہ سب کھیل اس چلتی ہوئی سانس کا ہے اگر یہ آرہی ہے تو سب اپنے اور اگر نہیں آرہی تو سب غیر آخر حضرت انسان جو ہوئے۔۔۔۔۔ بعض اوقات اپنے ہی دعوے انسان کی عقل میں نہیں آتے سو یہ زندگی کا سود و زیاں تو چلتا ہی رہتا ہے بہت کچھ بدلتا رہتا ہے ایک نہیں بدلا تھا تو ان کا انداز زندگی ان کے معمول میں کوئی فرق یا تبدیلی نہیں آئی وہی صبح کی نماز پڑھنا اور پھر سیدھا قبرستان کی جانب چلے آنا باہر بیٹھے بوڑھے سے پھول لینا اور اسی قبر کی جانب چلے آنا صفائی کرنی پھر قرینے سے پھول ڈالنا اور انہی ترستی نگاہوں کو شام تک قبر پہ جمائے رکھنا جیسے ابھی اس قبر سے ان کیلئے آواز آجائے گی جانے یہ کیسا پچھتاوا تھا جو جاتا ہی نہ تھا

ہاں بھئی وجاہت آگے کا پھر کیا سوچا ہے تم نے کس یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہو گے ؟؟؟ اگر یہاں نہ چاہو تو کسی باہر کی یونیورسٹی چلے جاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا خیال ہے ؟؟ صبح ناشتے کے وقت ناشتا کرتے ہوئے انہوں نے ہلکا سا مسکرا کر اچانک ہی یہی بات شروع کر دی جو آج کل نعمان اور اس کے درمیان موضوع کلام بنی ہوئی تھی وہ بے اختیار ان کی جانب دیکھنے لگا اور پھر ہلکا سا کھنکار کر ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا

جی بابا۔۔۔۔۔بالکل میں نے سوچا ہے اور اسی حوالے سے میں آپ سے بات کرنے کا سوچ بھی رہا تھااس کی بات سن کراس کی ماں بھی اسی کی طرف دیکھنے لگیں

اوہ بہت خوب یہ تو بہت اچھی بات ہے بتاؤ پھر کیا سوچا تم نے؟؟؟وہ انتہائی خوش ہوتے ہوئے بولے

باباجیسا کہ آپ جانتے ہی ہیں کہ میری دلچسپی آرٹ میں ہے اس نے قدرے جوش سے بات شروع کی اور شاید میری روح بھی اسی سے ہی جڑی ہوئی ہے میں جب بھی کینوس پہ کوئی نئ تخلیق ابھارتا ہوں تو وہ مجھے کبھی بھی ایک کام کی طرح نہیں لگی بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے اندر سے اٹھ رہی ہے میرے ہاتھوں کو اسے منظر میں ڈھالنے پر اکسا رہی ہے میں اپنے آپ سے مجبور ہو کر کینوس کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہوں اور میرے ہاتھ،میرا دل اور میری روح برش تھامتے ہی اس جہان اور اس کی رعنائیوں سے بے نیاز اور لا تعلق سے ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ مجھے اپنے آپ کا بھی ہوش نہیں رہتا بات کرتے کرتے جیسے وہ کسی اور ہی جہان میں پہنچا ہوا تھا اور اس بات کا تو اب آپ کو بھی اندازہ ہو ہی چکا ہو گا آخر میں وہ اپنی بات مکمل کرتے ہوئے ابھی حالیہ گزرنے والے واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہنس کر ان کی طرف متوجہ نظروں سے دیکھنے لگا اور ایک دم ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر چونک سا گیا اور سو

الیہ نظریں ان کے چہرے پہ جمادیں

اس کی بات سنتے سنتے لحظہ بہ لحظہ ان کے چہرے کے تاثرات بدلتے چلے گئے تھے اور اب آخر میں وہ انتہائی بگڑے ہوئے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے کہ جیسے انہیں ہر گز بھی اس سے اس بات کی توقع نہ ہو

ہاں بالکل مجھے وہ تمھارا آخری بار والا پاگل پن کافی اچھے سے یاد ہے انہوں نے اسی کی بات کا آخری حصہ پکڑتے ہوئے اکھڑے لہجے اور طنزیہ انداز سے بات شروع کی

وہ حیرانی سے ان کو بولتے ہوئے دیکھنے لگا

اور بلکہ مجھے تو اسی وقت ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ تم کس قدر احمق ہو چکے ہو کہ صبح سے شام تک بغیر کچھ کھائے پیئے اس تختے کے آگے وہ رنگ برنگے ڈبے رکھے اسی کو اپنا قبلہ سمجھے غرق ہونے کو ہو

لیکن بابا۔۔۔۔۔۔۔۔وہ حیرت سے مرنے کو ہو رہا تھا کہ یہ اس کے بابا ہی ہیں کہ جنہیں اس کی ہر بات پر فخر رہا ہے اور وہ اس کے گریڈز، رزلٹ شیٹس اور ٹرافیوں کو ہمیشہ اپنا قیمتی سرمایہ سمجھتے رہے ہیں اور ان میں سے کئی ٹرافیز اس کی بنائی گئی عمدہ ترین پینٹنگز پر ہی دی گئی تھیں لیکن وہ ایک بات بھول رہا تھا کہ اس کے بابا کو اگر اس پہ فخر تھا تو وہ صرف اس کی تعلیمی اسناد اور انہی پر دیئے جانے والے اعزازات پر تھا اس کی پینٹنگز پہ جب بھی اسے کوئی انعام یا اعزاز ملا تھا تو انہوں نے بس بہت اچھا کہہ کر اسے ایک طرف رکھوا دیا تھا اور کبھی بھی کسی قسم کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی جبکہ تعلیمی حوالے سے ان کا رد عمل ہمیشہ سے الگ رہا تھا وہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سے بڑی کامیابی کو ایک وسیع پیمانے پر سلیبریٹ کرتے تھے

کیا بابا۔۔۔۔۔۔وہ ایک دم گرجے

میں بھی کس قدر بے وقوف انسان ہوں مجھے اسی دن ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ تمھارا یہ شوق کس حد تک پاگل پن اختیار کر چکا ہے لیکن میں محض اس کو ایک شوق اور وقتی دلچسپی سمجھتا رہا اس لیئے تم کو چھوٹ دی مگر تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بابا آرٹ میرا شوق نہیں میرا عشق ہے مجھے اس سے محبت ہے اگر میں ایک دن کینوس اور رنگوں کے قریب نہ جاؤں تو مجھے لگتا ہے کہ میری سانس بند ہو رہی ہے اور۔۔۔۔۔۔اسے اپنے بابا کا اتنا شدید رد عمل سمجھ میں نہ آ رہا تھا انہوں نے کبھی اس سے اونچی آواز میں بات تک نہ کی تھی کجا کہ اتنا بلند اور کرخت لہجہ اختیار کرنا وہ حیرت سے گنگ ان کو دیکھے جا رہا تھا اور اس کی ماں خاموش تماشائی بنی ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھیں

اچھا سنو تم ایک کام کیوں نہیں کرتے کسی رنگ کرنے والے کے ساتھ کیوں نہیں مل جاتے؟؟؟اس سے اچھے خاصے چار پیسے بھی آ جائیں گے اور تم اچھا خاصا زندہ بھی رہ لو گے رنگوں کے ساتھ۔۔۔۔۔وہ اس کی بات سن کے بھڑک ہی اٹھے تھے اور ساتھ ہی تمسخرانہ انداز سے مشورہ بھی دے ڈالا

ان کی اس بات پہ وہ تڑپ ہی تو گیا بابا آرٹ ایک باقاعدہ شعبہ ہے اور اس کی مانگ پوری دنیا میں ہے کیا آپ پیکاسو کو نہیں جانتے؟؟؟؟ جس کی بڑی بڑی پینٹنگز ہمارے کمروں سے لے کر لاونج تک لگی ہوئی ہیں وہ اپنی بات کرتا کرتا اچانک ہی ان سے سوال کر گیا

اپنی فضول کی دلیلیں اپنے پاس رکھو میں تمہیں اچھا خاصا سمجھدار انسان سمجھتا تھا اور اسی گمان کے پیش نظر ہی میں نے تم سے تمھاری رائے اور سوچ پوچھی کہ تم کیا چاہتے ہو مجھے لگا کہ تم کسی باہر کی یونیورسٹی سے ایم بی اے کی ڈگری لینا چاہو گے اور واپس آ کر شاہ انڈسٹری کو سنبھالو گے مگر تم۔۔۔۔۔۔۔تم

نے تو میری ساری امیدوں پہ ہی پانی پھیر دیا وجاہت اور میرے فخر کو ملیا میٹ کر دیا میں کیا کہوں گا لوگوں کو کہ میرا وہ بیٹا کہ جس کا پورا تعلیمی کیریئر شاندار ریکارڈ رکھتے ہوئے ہر میدان میں پہلے نمبر پہ رہا ہے اور جس سے مجھے اس کی ایم بی اے کی ڈگری مکمل ہونے کے بعد شاہ انڈسٹری کو دس ممالک میں وسعت دیئیے جانے کے بعد مزید دس ممالک میں وسعت دیئیے جانے کی امید تھی وہ اب رنگ ساز بننا چاہ رہا ہے کیا خوب مذاق بنے گا نہ میرا وہ بھی اپنے ایک اکلوتے بیٹے کے ہاتھوں آخر میں ان کا لہجہ رنجیدہ ہو گیا

بابا آپ غلط سوچ رہے ہیں بھلا میں آپ کا مزاق بنانے کا سوچ سکتا ہوں آپ کا حکم سر آنکھوں پر ہمیشہ سے تھا، ہے اور رہے گا لیکن آرٹ میرا جنوں ہے میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ پاؤں گا بابا۔۔۔۔ میں صرف آپ کو اپنی خواہش بتا رہا ہوں اور آپ نے تو میری ہر خواہش میرے بغیر کہے پوری کی ہے نا تو پھر اب ایسا کیوں بابا۔۔۔۔ وہ دکھ سے ان کو دیکھتا رہا اور اس کی ماں کی آنکھیں اس کو دیکھ کے برسنے لگیں انہوں نے شاہ صاحب کو کچھ بولنا چاہا تھا مگر بول نہیں پائیں

آپ کو پتہ ہے بابا ہمارے کالج کے آخری فنکشن پہ مجھے مہمان خصوصی نے خاص طور پر بلوا کر کیا کہا؟ کہ وجاہت۔۔۔۔

"Your the best al rounder.....and your osem artist and painter your fingers, thoughts and thinkink is very artistic......your telant is without words"

I hope one day your the best painter like pikaso"

(تم ہر لحاظ سے ایک بہترین انسان ہو اور ایک اعلی درجہ کے فنکار اور پینٹر ہو تمھارے ہاتھوں کی انگلیاں، تمھارے خیالات اور سوچ بہت فنکارانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں اور تمھاری اس صلاحیت کے متعلق کچھ بولنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں میں امید کرتا ہوں کہ ایک دن تم بہت بڑے پینٹر بنو گے پکاسو کی طرح لاجواب)اور۔۔۔۔۔۔۔۔دکھ سے باقی الفاظ اس کے حلق میں ہی رہ گئے

واہ واہ کیا بات ہے کیا بیان فرمایا تمھارے مہمان خصوصی نے اب اگلی بات میری سنو یہ وہی مہمان خصوصی ہے کہ جس کا بڑا بیٹا بیرون ملک کی ایک بڑی کمپنی میں انجینئر دوسرے والا ڈاکٹر اور تیسرے والا ایم بی اے کر رہا ہے اور یہ دوسروں کی اولادوں کو نکما بننے کی پٹیاں پڑھا رہے ہیں وہ بے حد غصے سے بولے

تم میری بات غور سے سن لو وجاہت تم وہی کرو گے جو تمھیں میں کہوں گا یعنی کہ ایم بی اے باقی سوچنا تمھیں یہ ہے کہ کرنا کہاں سے ہے کسی باہر کی یونیورسٹی سے کر لو تو زیادہ اچھا ہے مگر نہ بھی جانا چاہو یہیں سے کرنا چاہو تب بھی کوئی مسئلہ نہیں جس یونیورسٹی میں چاہو گے تمھارا ایڈمیشن کروا دیا جائے گا

اچھے سے سوچ لو اور ہاں تمھارے پاس صرف یہی راستہ ہے دوسری صورت میں تم میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے کیونکہ میں تمھاری اس فضول ضد کی وجہ سے اپنی بنی بنائی عزت اور نام داؤ پہ نہیں لگا سکتا اور ویسے بھی جب کل کو تمھاری ایم بی اے کی ڈگری تمھارے ہاتھ آجائے گی اور شاہ انڈسٹری کو تم سنبھال کے اسے مزید عروج دو گے تو اس وقت مجھے دعائیں بھی دو گے اور اپنی اس وقتی جذباتیت کو بھی کوسو گے انشاللہ اب فیصلہ تمھارے ہاتھ میں ہے وجاہت کہ تم نے کیا کرنا ہے آخر میں حتمی فیصلہ سنانے کے بعد انہوں نے بال اس کی کورٹ میں پھینک دی تھی اور خود آفس جانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے

وہ شدت غم سے انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا اور اپنی ماں کی چپ کو بھی

وہ آج بھی قبرستان سے گھر واپس لوٹے تو ایک سوالیہ نگاہیں پورے لاونج کے اطراف میں دوڑائیں مگر ہمیشہ کی طرح وہ ناکام انہی کے پاس لوٹ آئیں تھیں ان گزرے دس سالوں میں ایک دن بھی وہ ان سے بات نہ کر سکے تھے اور نہ ہی وہ کبھی ان کے سامنے آئیں تھیں اگر کبھی سامنا ہو بھی جاتا تو وہ محض چند لمحوں کا ہی ہوتا اور وہ ایک شکوہ بھری نگاہ ان پہ ڈال کے وہاں سے ہٹ جاتیں اور ان کے پچھتاوے اور بڑھ جاتے اس دراز عرصے نے انہیں ایک لمبی جدائی بخشی تھی یہ بھی ان کی اپنی ہی دین تھی کسی اور کا بھلا کیا قصور تھا اس سب میں اور پچھتاوے تھے کہ بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے کاش کہ ان پہ موت ہی مہربان ہو جاتی ہے مگر ایسا بھی تو نہ ہوتا تھا اسے بھی ان پہ ترس نہ آتا تھا اور وہ خود اس کو اپنے گلے لگا کر

آخرت کا ایک بڑا پچھتاوا مول نہ لینا چاہتے تھے اسی لئیے سرد آہ بھر کر اپنے کمرے کی جانب چل دیئے جہاں ان کی تنہائی ان کا انتظار کر رہی تھی اب پوری رات آنسوؤں کے ساتھ ہی گزرنا تھی جو ایک طویل عرصے سے ان کا ساتھ نبھاتے چلے آرہے تھے

وہ رات کو کافی تاخیر سے گھر پہنچے تو ایک غیر معمولی سی خاموشی محسوس ہوئی وہ نا محسوس انداز سے تیز تیز قدم اٹھاتے اندر داخل ہوئے لاونج میں داخل ہوتے ہی مدھم پڑتی سسکیوں نے ان کا استقبال کیا تو وہ بے اختیار بھاگتے ہوئے صوفے کی جانب بڑھے جہاں وہ زار و قطار روئے چلے جا رہی تھیں

ان کا دل بے ہنگم انداز سے دھڑکنے لگا

رومانہ.......کیا ہوا؟؟

آپ کیوں رو رہی ہیں؟؟لائبہ اور باقی سب کی طرف تو خیریت ہے نا؟؟

انہیں روتے دیکھ کر وہ بے اختیار سوال پہ سوال کرتے چلے گئے اور بڑی بیٹی کا نام لیتے باقی سب کا بھی پوچھ لیا

ہاں وہ سب ٹھیک ہیں لیکن وہ۔۔۔۔۔۔ٹھیک نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ

رونے کی وجہ سے ان کی بات پوری نہ ہو سکی تو وہ اور شدت سے رونے لگیں

کک۔۔۔۔کون ٹھیک نہیں؟؟

آپ کس کی بات کر رہی ہیں۔۔۔۔۔۔بلکہ رکیں آپ پہلے پانی پیئیں وہ خود ہی دوڑ کر لاونج سے ملحقہ کچن کی جانب بڑھے اور جلدی سے ان کیلئے پانی لے آئے اور ان کی حالت کے پیش نظر خود ہی ان کی طرف پانی بڑھایا

وہ بمشکل دو گھونٹ ہی بھر سکیں اور ان کا گلاس والا ہاتھ ایک طرف کر دیا

اور ایک دفعہ پھر مزید شدت سے رونے لگیں وہ گلاس صوفے کے سامنے پڑے میز پہ رکھ کر خود ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے اور ہاتھ ان کی پشت سے گزار کر صوفے پر پھیلا دیا

چلیں اب رونا بند کریں اور مجھے بتائیں کہ کیا ہوا ہے کون ٹھیک نہیں؟؟آپ کس کی بات کر رہی ہیں

وہ انتہائی صبر سے خود کو پر سکون رکھ کر ان سے پوچھنے لگے

وج۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔۔وہ ٹھیک نہیں ہے

جب ۔۔۔۔س۔۔۔۔۔۔۔ے آپ گئے ہیں وہ جب سے کم۔۔۔۔۔۔رے میں ب۔۔۔۔ند ہے۔۔۔۔اور نہ ہی کچ۔۔۔۔ھ کھا۔۔۔یا

انہوں نے سسکیوں کے درمیان توڑ توڑ کے جملہ مکمل تو وہ ایک دم اچھل کے کھڑے ہو گئے

یہ۔۔۔۔۔۔یہ آپ کک۔۔۔۔کیا کہہ رہی ہیں وہ اٹک اٹک کے بولے

ہاں ممم۔۔۔۔میں نے بہت بار دروا۔۔۔۔زہ کھٹ۔۔۔۔کھٹایا

مم۔۔۔ گر اس نے نہیں کھولا اور نہ کچھ بولا وہ اب اونچا اونچا رونے لگیں تھیں

ایسا کیسے ہو سکتا ہے وجاہت حسین شاہ ان کا اتنا سمجھدار بیٹا ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ حیرت اور بے یقینی کی کیفیت میں تھے اور

میں آپ کی بتا رہی شاہ جی کہ میرا بیٹا ٹھیک نہیں ہے ورنہ ایسا ہو سکتا ہے کہ میں آواز دوں اور وہ جواب نہ دے وہ سسکنے لگیں تھیں

اچھا چلو آؤ اوپر چل کے دیکھتے ہیں وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اوپری منزل کی جانب بڑھنے لگے پہلا کمرہ اسی کا تھا وہ بھی بھاگنے کے سے انداز میں ان کے پیچھے آنے لگیں

اوپر پہنچتے ہی انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کمرے کے دروازے کو تقریباً پیٹ ڈالا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس کو آوازیں بھی دے رہے تھے

مگر جواب ندارد تھا اب ان کا دل بھی ہولنے لگا تھا مگر وہ رومانہ بیگم کی پریشانی کے عوض خود کو چہرے سے مطمئن رکھے ہوئے تھے جو کہ مستقل طور پر روئے چلے جا رہی تھیں مگر آخر کب تک

مزید پندرہ منٹ دروازہ دھڑ دھڑانے کے بعد بھی جب انہیں ناکامی کا سامنا ہی کرنا پڑا تو انہوں نے فوراً نیچے اپنے چوکیدار کو آواز لگا دی اور دروازہ توڑ دینے کو کہا

وہ فی الفور ساتھی ملازم کے ساتھ اوپر پہنچا اور دس منٹ بعد وہ دونوں دروازہ توڑنے میں کامیاب ہو گئے تھے دروازہ کھلتے ہی وہ سب آگے پیچھے دوڑتے ہوئے اندر پہنچے

مگر سامنے ہی راکنگ چیئر پر ساکت پڑے اس کے وجود نے ان کو بھی ساکت کر دیا تھا ادھ کھلی ڈائری اس کی گود میں جبکہ پینسل پھسل کر چیئر کے ساتھ اس کے قدموں میں پڑی اپنی قسمت کو رو رہی تھی جانے اس سے ایسا کیا لکھا گیا تھا کہ جو ایسی غم اور یاس کی کیفیت میں مبتلا لگتی تھی وہ بے اختیار اپنے قدموں کو گھسیٹتے اس کے پاس پہنچے اور اس کے قدموں کے عین برابر جھک گئے

اس کی ماں اس کو دیکھتے ہی چیخ مار کر بے ہوش ہو چکی تھیں ملازمین کا جم غفیر رات دس بجے اپنی مالکن کی دل دوز چیخ سن کر اپنے کوارٹرز سے بھاگتا دوڑتا اوپر پہنچا تھا آگے ایک کربلا کا منظر تھا جوان کا منتظر تھا سب کی آنکھوں سے بے اختیار ہی آنسو جاری ہوئے تھے اپنے مالکوں پہ ٹوٹی قیامت دیکھ کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ سب رومانہ بیگم کو سنبھالنے لگ گئے تھے کہ ایک دم انہوں نے اونچی آواز سے ان سب کو ان کو ادھر سے لے جانے اور دروازہ بند کرنے کی تلقین کی

وہ سب بے یقین سے ہو کر ان کی جانب دیکھنے لگے مگر سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی تو ان کے حکم پر عمل کرنے لگے ٹھیک پانچ منٹ بعد دروازہ بند ہوا تھا اور وہ تنہا اس کے ساکت وجود کے سامنے جھکے بیٹھے رہ گئے تھے بے اختیار انہوں نے اپنی نگاہیں اوپر اٹھائیں اور ہاتھ اس کی ڈائری کی طرف بڑھایا جیسے ہی انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو ان کی نظر اس کی چیئر کے سامنے سٹینڈ پہ لگے کینوس پہ پڑی تو وہ لاشعوری طور پر ڈائری کو ایک طرف رکھ کے اٹھ کر اس کی جانب بڑھنے لگے کینوس پہ ابھارے گئے منظر نے ان کے جسم سے جان نکال دی تھی کینوس پر دو منظر ابھارے گئے تھے مگر وہ دونوں ایک ہی داستان کا حصہ تھے جن میں اس شخص کی بے بسی کو بیان کیا گیا تھا

ایک طرف ایک شخص سونے کے بنے پنجرے میں قید زمین پہ پڑا سسک رہا تھا اس کی سانس جیسے بند ہونے کو تھی اور وہ آخری لمحات میں تھا ٹانگوں سے جان نکل چکی تھی صرف سینے میں دھڑکتا مدھم سا دل ابھی اس کے زندہ لاش ہونے کا گمان دے رہا تھا مگر آنکھوں کی بجھی ہوئی جوت یہی بتاتی تھی کہ یہ

جو روح اور سانس کا تھوڑا سا تعلق جسم سے باقی ہے وہ بھی بس چند پلوں کا ہے آنکھوں میں ایک درد تھا جو ٹھہر سا گیا تھا آنسوؤں کی ایک پتلی سی لکیر آنکھوں سے بہہ کر اپنی ناقدری پہ بین کر رہی تھی

جبکہ داستاں کے دوسرے حصے میں ایک قبر تھی جسے انتہائی دردمندی سے کینوس پہ پینٹ کیا گیا تھا یہاں تک کہ اس کے کتبے پہ بھی نام کی بجائے "نامراد" لکھا ہوا تھا

درد کی ایک شدید لہر تھی جو ان کے بائیں طرف سے اٹھی تھی اور ان کا سینہ چیر گئی تھی انہوں نے بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھ کے خود کو سنبھالا تھا اور چلتے ہوئے ڈائیری کے پاس آ پہنچے اور وہیں سے کھول لی جہاں سے وہ پہلے ہی کھلی تھی آنکھیں تحریر پہ پھسلنے لگیں تھیں

"میں "وجاہت حسین شاہ" جو

"شاہ انڈسٹری" کا ایک اکلوتا وارث ہے جس کہ بارے میں اس کے دوستوں کا کہنا ہے کہ میں جو چاہے کر سکتا ہوں جو چاہے پا سکتا ہوں ہاں وہ سب درست کہتے ہیں کہ میں سب کر سکتا ہوں لیکن بابا کی مرضی کے مطابق

میں اپنی مرضی سے تو کچھ بھی نہیں کر سکتا میں تو صرف وہی کر سکتا ہوں جو بابا چاہیں گے میں سونے کے پنجرے میں قید وہ پرندہ ہوں جو قید رہ کر سونے کے پنجرے کو صرف فخر سے دیکھ تو سکتا ہے مگر آزادی کی چاہ نہیں رکھ سکتا اور یہ خوبصورت قید میری جان لے رہی ہے اور اس بات کا پتہ تو مجھے آج چلا

ہے آج سے پہلے پہلے میرے خیالات بھی میرے دوستوں والے ہی تھے اور میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ ہاں میں سب کر سکتا ہوں

لیکن نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔وجاہت شاہ تم غلط ہو تم تو بذات خود کچھ بھی نہیں ہو تم وہ روبوٹ ہو جس کی چابی بابا کے پاس ہے اور اگر میں تھوڑا سا بھی خود پہ اور اپنی زندگی کی کامیابیوں پر غور کر لوں تو مجھے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ سب کامیابیاں مجھے کیوں ملیں؟؟؟؟

صرف اور صرف اپنے بابا کی بدولت

کیونکہ مجھے اپنے شعور میں آتے ہی اس بات کا ادراک ہو گیا تھا کہ میری کامیابیاں بابا کو خوش کرتی ہیں فخر میں مبتلا کرتی ہیں بس جب سے میں نے یہ محسوس کیا تب سے میں نے اپنی زندگی کا ایک ہی مقصد بنا لیا بابا کو خوش کرنا

اور ان کو خوش کرتے کرتے میں اپنا آپ بھول گیا اپنی چاہ بھول گیا

صرف ایک واحد کام جو میری اپنی ذات کی تسکین اور خوشی کیلئے تھا تو وہ تھا میری پینٹنگ کا شوق (اور یہی شوق میری جان لینے کو آگیا ہے)

مجھے اس سے محبت نہیں عشق تھا اگر میں ایک دن بھی کینوس کے قریب نہ جاتا تو مجھے لگتا کہ میری سانس رک رہی ہے یہ میری آکسیجن تھا

جب جب مجھے گھٹن محسوس ہوتی میں اپنی گھٹن کینوس پہ انڈیل کے پر سکون ہو جاتا

میری ہر کامیابی پہ بابا بہت خوش ہوتے اور سلیبریٹ کرتے مگر آرٹ کے حوالے سے میری کسی بھی کامیابی پہ انہوں نے کبھی بھی وہ گرمجوشی نہ دیکھائی تھی مگر میں نے کبھی اس بات پہ غور ہی نہیں کیا اور آج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔زندگی میں پہلی بار میں نے انہیں اپنی مرضی بتائی اور انہوں نے اس کے پورا کرنے کی جو شرط رکھی ہے وہ میں مر کر کے بھی نہیں چاہ سکتا بھلا ایک چاہت پوری کرنے کیلئے میں دوسری چاہت کو کیسے کھو سکتا ہوں میں اپنا عشق پورا کرنے کے لیے اپنے جان سے پیارے بابا کو کیسے کھو سکتا ہوں اس لیے میں نے یہ اذیت اپنے لئیے چن لی ہے

میرے دماغ نے یہ فیصلہ سنادیا ہے کہ جو بابا کہتے ہیں وہی درست ہے اور تمھیں وہی کرنا ہے مگر میرا دل دماغ کے اس فیصلے کو سہار نہیں پارہا وہ اپنے استحصال پہ خوش نہیں ہے اور اپنا بدلہ لینے کیلئے وہ میرے جسم کا ساتھ نبھانے سے انکاری ہے میں ان دونوں کی جنگ میں پس رہا ہوں اور خود سے ہی ہار رہا ہوں میرا دل میری لاکھ التجاؤں کے بعد بھی میری نہیں سن رہا اور اپنے ٹوٹنے پہ اپنا غم اپنے کندھوں پہ اٹھا کر دھڑکنا بند کر رہا ہے میں جا رہا ہوں بابا میں آپ کی نظروں میں سرخرو لیکن اپنے دل سے ہار گیا ہوں ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئیے گا

آپ کا وجاہت حسین شاہ معافی کا خواستگار ہے

ڈائری ان کے ہاتھ سے چھوٹ کے نیچے جا گری تھی اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا

کوئی ایسا بھی کر سکتا ہے کیا؟؟

اگر کر سکتا ہے تو کیسے ؟؟

وہ کس قدر درست کہتا تھا کہ بابا اگر میں نے کینوس اور رنگوں سے دور جاؤں گا تو میری سانسیں بند ہو جائیں گی میں جی نہیں پاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔اور انہوں نے تو بس ابھی ایک بات ہی کی تھی رنگوں سے اس کی جدائی کی اور وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکا تھا

ہاں وہ واقعی ہی ان کا سمجھدار بیٹا تھا اسی لیئے ان کی نظروں میں سرخرو ہو گیا مگر اس سرخرو ہونے کا اس نے ان سے اتنا بڑا تاوان لیا کہ بدلے میں نا ختم ہونے والا پچھتاوا دان کیا

وہ اسے اس کی ڈائری اور کینوس پہ اپنے ہاتھوں سے لکھی اس کی داستان کو دیکھتے جاتے اور زارو قطار روتے جاتے مگر کون تھا جو انہیں چپ کرواتا اور ان کا پچھتاوا کم کرتا

کاش اے کاش وہ اس کو سمجھتے ساری زندگی وہ اس پہ اپنی مرضی مسلط کرتے رہے اور وہ فرمانبرداری سے سر جھکاتا رہا اور اس سر جھکانے کی عادت نے ان کو زعم میں مبتلا کر دیا اور اب بھی جب اس نے ان کے سامنے اپنا موقف رکھا تو درحقیقت ان کے اس زعم کو ٹھیس پہنچی تھی کہ ان کے ہوتے ہوئے وہ اپنے فیصلے خود کرے گا تو یہ ان کو برداشت نہ تھا صرف اپنے زعم اور انا کی تسکین کی خاطر انہوں نے اس پہ جبری فیصلہ لاگو کیا اور بدلے میں اس کی جان ہی لے لی

کیا کوئی باپ ایسا ہو سکتا ہے جو اپنی اولاد کی خوشیاں خود اپنے ہی ہاتھوں سے چھین لے اور اسے قبر کے حوالے کر دے

ایسا نہیں تھا کہ انہیں اس سے محبت نہ تھی مگر صرف ایک ان کی ضد نے انہیں اتنا بڑا خسارہ دیا تھا اب پوری زندگی انہیں اسی درد اور پچھتاوے کے ساتھ ہی پل پل جینا اور مرنا تھا جو تقدیر نے ان کے اپنے ہی ہاتھوں ان کی جھولی میں آ ڈالا تھا

وہ روز اپنے معمول کے مطابق قبرستان جاتے سارا دن وہیں گزارتے اور اپنے پچھتاؤوں میں مزید اضافہ کر کے گھر واپس لوٹ آتے جہاں روز کی درد بھری خاموشی ان کا انتظار کر رہی ہوتی تھی

ختم شد